ڈاکٹر محمد آصف اعوان

رومی کا تصورِ ارتقا

Rumi is a great evolutionary thinker. His theory of evolution is more comprehensive as compare to European evolutionary thinkers, in the sense that the sphere of Rumi's evolutionary theory is not restricted to matter but transcends it and even speaks about the evolution after death in the valleys of spiritualism. This is the very aspect of the Rumi's theory of evolution which keeps intact a man's hope of life.

ارتقا کا تصور اس حقیقت کی ترجمانی کرتا ہے کہ کارخانہ قدرت میں کہیں سکون اور قرار نہیں ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ حیات کی سرمستی سے تڑپ رہا ہے۔ آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کے دہن ہر نوعِ حیات کی فطرت میں داخل ہے۔ مادیت ارتقا کے راستے میں حائل نہیں۔ ارتقائی لگن حیات کو مادی حدود سے ماورا ابدیت کی ان گنت منزلوں کی جانب گامزن رکھتی ہے۔ قرآن پاک میں جگہ جگہ ایسی آیات ملتی ہیں جن سے نہ صرف یہ کہ تصورِ ارتقا کی تائید و تصدیق ہوتی ہے بلکہ ان آیات سے یہ حقیقت بھی متبادر ہوتی ہے کہ حیات و کائنات کی بقا کا مدار اصولِ ارتقا ہے۔ ارتقا کا تصور پیش کرنے والے مسلم مفکرین میں علامہ جاحظ بصری (وفات محرم ۲۵۵ھ)، ابن مسکویہ (وفات ۴۲۱ھ)، البیرونی (وفات ۴۴۰ھ)، علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون (وفت ۴۵۶ھ)، نصیرالدین طوسی (وفات ۶۷۲ھ) اور علامہ فخرالدین عراقی (وفات ۶۸۸ھ) کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں مسلم مفکرین کے ارتقائی تصورات فکری دنیا میں ایک بہت بڑا انقلاب تھے۔ قدیم یونانی تاریخ میں اگرچہ اطالیس ملطی (B.C ۶۶۳-۵۵۵)، انکسیمنڈر (B.C ۶۱۱-۵۴۷)، انکسی منیز (B.C ۵۸۸-۵۲۴)، لیوسپس، دیموکریطس اور اُمپدوکلیس (B.C ۴۹۰-۴۳۰) نے ارتقائی تصورات پیش کیے تاہم یہ تصورات اسلامی دنیا میں اس لیے مقبول نہ ہو سکے کہ ان تصورات کا احاطہ محض مادی دنیا تک محدود تھا، یہاں تک کہ افلاطون اور ارسطو نے بھی ایک ایسا ساکن و ساکت تصور کائنات پیش کیا جس نے انسانی ذہن و قلب کو مسدود اور فکر و خیال کو محدود کر کے رکھ دیا۔ فکر و خیال کی یہ تنگ نظری اس غلط فہمی کا نتیجہ تھی کہ محض مادہ ہی اس کائنات کی اصلی حقیقت ہے۔

اسلام کی فکری تاریخ میں مولانا جلال الدین رومؔی (وفات ۱۹۷۳ء) کا نام ارتقا کا تصور پیش کرنے والے مسلم مفکرین میں اِس لحاظ سے نہایت نمایاں حیثیت رکھتا ہے[1] کہ مولانا نے اپنے تصورِ ارتقا کو پیش کرتے ہوئے سب سے پہلے مادہ کی ہی حقیقت کو بیان کیا ہے۔ رومی مادہ کے متعلق خاص طور پر دو باتیں بیان کرتے ہیں:

پیکر از ما هست شد نے ما ازو
باده ازما مست شد نے ما ازو[2]

یعنی مادہ روح سے ہے روح مادہ سے نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ مادہ روح کی تخلیق کا باعث نہیں بلکہ روح نے مادہ کو تخلیق کیا ہے گویا کائنات میں مادہ کو نہیں بلکہ روح کو اوّلین حیثیت حاصل ہے۔

دوسری بات یہ کہ چونکہ مادہ کی حقیقت روحانی ہے اس لیے مادہ مردہ نہیں بلکہ ایک زندہ حقیقت ہے۔

بـــاد و خـــاک و آب و آتـــش بـنـده انـد
بـــامــن و تــو مـــرده، بــا حـق زنـده انـد [۳]

ایم۔ایم شریف اپنی کتاب "A History of Muslim Philosophy" میں مادہ سے متعلق مولانا روم کے نقطۂ نظر کو یکجا کر کے یوں پیش کرتے ہیں۔

> "He says that life has evolved from matter, but for him matter was from the outset essentially and potentially spiritual. This removes the insoluble problem of lifless and goalless matter, evolving out of itself a germ of life which even in the lowest and initial stage is adaptive and goal-seeking."[۴]

مادہ کے ایک زندہ حقیقت ہونے کی اور اس کی روحانی تعبیر کی تصدیق قرآن پاک کے ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے کہ ارض وسموات میں ہر شے خدا کی تسبیح کرتی ہے لیکن تم اس تسبیح کو نہیں سمجھتے۔

مولانا رومی کہتے ہیں کہ کائنات میں مادہ شعورِ حیات کے اعتبار سے مختلف درجات میں منقسم ہے۔ تاہم ہر سطح پر مادہ میں ارتقاوارتفاع کا ایک عمومی رجحان پایا جاتا ہے۔ آج اگرچہ انسان شعورِ حیات کے اعتبار سے حیات کی بہترین سطح پر متمکن ہے تاہم یہی انسان کبھی اپنی مادی شکل وساخت کے لحاظ سے خاروخس کی صورت میں بھی تھی۔ انسان نے ارتقائی مراحل کے دوران میں ہزاروں سال ایسی حالت میں گزارے ہیں کہ جب وہ ذرات ہوا کی طرح بے بس اور بے اختیار ہستی تھا۔

صـــد هـــزاراں ســـال بـودم در مـطـــار
هـــمـــچـــو ذراتِ هـــوا بـــے اختیـــار [۵]

مولانا کے نزدیک حیاتِ انسانی کے ارتقا کا سب سے پہلا مرحلہ جمادی تھا پھر وہ نباتی مرحلے میں داخل ہوا اور پھر حیوانی مرحلے سے ہوتا ہوا انسانی مرحلے میں داخل ہوا۔

آمـــده اول بـــــا قـــلـیـــم جـــمـــــاد
وز جـــمـــــادی در نبـــــاتـــی اوفتـــاد [۶]

ســـالهـــا انـدر نبـــاتـی عـمـر کـرد
وز جـــمـــــادی یـــاد نـــاورد از نبـــرد [۷]

وز نبـــاتـــی چـــون بـحیـوانـی فتـــاد
نـــامـــدش حـــالِ نبـــاتـی هیـچ یـــاد [۸]

جـــز هـــمـان میلے کـه دارد سوئے آں
خـــاصـــه در وقـــتِ بهـــارو ضیـمـــراں [۹]

هـــمـــچـو میلے کـود کـاں بـا مـادراں
ســـرِ میــلــے خـــود نـدانـد در لبـــاں [۱۰]

باز از حیواں سوئے انا نیش
میکشد آں خالقے کہ دانیش (۱۱)

ہم چنیں اقلیم تا اقلیم رفت
تا شداکنوں عاقل و دانا و زفت (۱۲)

عقلہائے اولینش یادنیست
ہم ازیں عقلش تحوّل کرد نیست (۱۳)

مولانا کہتے ہیں کہ گوانسان اپنے اوپر گزرنے والی پچھلی کیفیات کو بھول گیا ہے تاہم اب بھی موسم بہار میں سبزہ وگل کی طرف اُس کا میلان اپنی ذات پر گزرنے والی کیفیت کے مبہم احساس کی نمائندگی کرتا ہے۔

مولانا رومی انسان کی موجودہ شکل وساخت کو بھی ارتقا کی آخری کڑی نہیں سمجھتے۔ اُن کے نزدیک موت ارتقائے حیات انسانی کی ایک منزل ہے۔ اگر انسان سابقہ مراحل ارتقا سے گزر کر موجودہ مرحلے پر آپہنچا ہے تو اس میں کیا شک ہے کہ وہ اس مرحلے سے بھی گزر کر ارتقا کے اگلے بلند تر مراحل میں داخل ہو جائے گا۔ ارتقا دراصل بود و نابود کے ایک ایسے لامتناہی تسلسل کا نام ہے جو ثنو رو قیود سے بالاتر ہے۔

از جمادی مردم و نامی شدم
وز نما مردم بحیواں سرزدم
مردم از حیوانی و آدم شدم
پس چہ ترسم کہ زمردن کم شدم (۱۴)

یہ ہے وہ مقام جہاں سے رومی کے تصورِ ارتقا کا وہ رجائی پہلو نمایاں ہوتا ہے جس سے قدیم یونانی مفکرین سے لے کر موجودہ یورپ کے وہ سبھی مفکرین محروم نظر آتے ہیں جنہوں نے ارتقائی نظریات پیش کیے۔ رومی اور مغربی مفکرین کے ارتقائی نظریات میں بنیادی فرق یہ ہے کہ مغربی مفکرین حیات کو مادی و میکانکی قوانین کا پابند اور اسیر دیکھتے ہیں اور اُن کی نگاہ مادہ کی محض ظاہری جہت تک محدود ہے۔ اُن کا نقطہ نظر یہ ہے کہ حیات کا تلازم صرف اور صرف پیکرِ مادی کے ساتھ وابستہ ہے۔ چنانچہ اِس پیکرِ مادی کا بکھر جانا ہی اُن کے نزدیک موت یا اختتام حیات ہے۔ گویا یورپی تصور ارتقا کے مطابق حیات بقا و دوام کی صفت سے محروم ہے۔ یورپ کے تصورِ ارتقا کی یہ وہ خامی ہے جس سے انسان کا حیات پر سے اعتماد اُٹھ جاتا ہے اور اُس کے دل میں ایک ایسے غیر محفوظ مستقبل کا خدشہ گھر کر لیتا ہے جس سے مایوسی و نا اُمیدی کے ساتھ ساتھ بے عملی کے رجحان کو بھی تقویت ملتی ہے۔

یورپی مفکرین کے برعکس رومی اس خیال کے حامی ہیں کہ محض مادہ حیات کا ضامن نہیں بلکہ پیکرِ مادی کے اندر پنہاں اُس روحانی و شعوری اساس کو اصلِ حیات کی حیثیت حاصل ہے جس میں ہر دم انقلاب ارتقا کا باعث ہے۔ حیات کا ارتقا مادی شکل و ساخت کے ساتھ وابستہ نہیں بلکہ شعوری ارتقا اس کا محرک اور تائید کنندہ ہے۔ شعوری سطح پر حیات کے ایک مرحلے کا اختتام اگلے مرحلہ حیات کے لیے راہ ہموار کرتا ہے۔ مادی ارتقا شعوری ارتقا ہی کا مظہر ہے۔ جیسے جیسے شعوری ارتقا میں اضافہ ہوتا ہے مادی سطح پر بھی تغیر و تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ شعوری ارتقا و ارتفاع کا ایک ایسا مرحلہ بھی آ سکتا ہے جو موجودہ مادی ساخت و ماہیئت سے مطابقت نہ رکھتا ہو اور عین ممکن ہے کہ اس سطح پر پہنچ کر حیات اپنے لامتناہی ارتقائی عمل میں موجودہ مادی صورت کو چھوڑ کر کوئی اور ڈھب اختیار کر لے۔ یوں حیات کا لامتناہی تسلسل ہی رومی کے تصورِ ارتقا کی وہ اہم خصوصیت ہے جو انسان کو

اپنے مستقبل کی طرف سے یاس وناامیدی کا شکار کرنے کی بجائے اُسے جوش وسرمستی سے سرشار حیات کا رجائی اور مستقبل آشنا تصور عطا کرتی ہے۔ اقبال نے اپنے خطبات میں رومی کے تصورِ ارتقا کے اس رجائی پہلو کی بے حد تعریف وتوصیف کی ہے اور کہا ہے کہ رومی کا تصورِ ارتقا اپنے مستقبل کی طرف سے مایوس اور یاسیت زدہ یورپ کے لیے اُمید کی ایک کرن ہے۔ اقبال رقمطراز ہیں:

"The modern with his philosophies of criticism and scientific specialism finds himself in a strange predicament. His Naturalism has given him an unprecedented control over the forces of nature, but has robbed him of faith in his own future. It is strange how the same idea affects different cultures differently. The formation of the theory of evolution in the world of Islam brought into being Rumi's tremendous enthusiasm for the biological future of man."(۱۵)

مولانا کے نزدیک حیات کا ہر قدم نئی آفرینش کا حامل ہوتا ہے۔ رومی لکھتے ہیں:

ھر نفس نومی شود دنیا و ما
بے خبر نومی شدن اندر بقا(۱۶)

سید وزیر الحسن عابدی رقمطراز ہیں:

''رومی نے انسان کو ارتقائے حیات وکائنات کی طرف متوجہ کیا اور یہ کہہ کر ہر نفس نومی شود دنیا......نوآفرینی کا پیغام دیا۔''(۱۷)

''نوآفرینی'' رومی کے تصورِ ارتقا کا ایک اہم پہلو ہے۔ رومی اس بات پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں کہ انسان اپنی موجودہ مادی ساختِ حیات کو ہی حیات کی حتمی اور آخری منزل سمجھ بیٹھا ہے جبکہ حیات کسی ایک قالب کی اسیر نہیں۔ جس طرح قطرہ گہر اور خون نافہ میں بدل جاتا ہے اسی طرح حیات انسانی کی موجودہ مادی ہیئت کے تحلیل ہونے اور پھر کسی اور بہتر شکل وساخت میں ڈھل جانے کے بھی پورے پورے امکانات موجود ہیں۔ فطرت کے مشاہدے سے یہ بات عیاں ہے کہ حیات کے ادنیٰ درجے کی موت ہی حیات کے صعود وارتفاع کا باعث بنتی ہے۔ بقول خلیفہ عبدالحکیم:

''نفع بخش موت و حیات کا سلسلہ یہی ہے کہ پہلی نفسی کیفیت کی تنسیخ سے اعلیٰ تر نفسی کیفیت ظہور میں آئے۔''(۱۸)

بقول مولانا:

در وجودِ آدمی جان و رواں
میرسد از غیب چون آبِ رواں
ھر زمان از غیب نو نومی رسند
واز جھانِ تن بیرون شومی رسند(۱۹)

رومی کے نزدیک موت یا فنا سے مراد وجود کا معدوم ہو جانا نہیں بلکہ ارتقائے حیات کی خاطر بہتر مظہرِ حیات کی صفات میں اپنے آپ کو گم کر دینا ہے۔ حیاتِ نو ادنیٰ سطحِ حیات کو خیر باد کہہ کر روحانی واخلاقی طور پر بہتر اقدارِ حیات اپنانے کا نام ہے۔

حیات اسی انداز میں جمادات ونباتات اور پھر حیوانات کے درجے سے گزرتے ہوئے انسان کے روپ میں نمودار ہوئی ہے۔ آب حیات کا مقصود یہ ہے کہ وہ رذائل انسانی سے رہائی پا کر اپنے آپ کو اوصافِ الٰہیہ سے آراستہ کرلے۔ اوصاف الٰہیہ کے حصول کا یہ سفر ایسا بے پایاں اور بے کنار ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔ انسان فقط اپنے مقصودِ اصلی سے قریب سے قریب تر ہوتا جائے گا۔

گوهر جان چون ورائے فصلهاست
خوی او این نیست خوی کبریاست (۲۰)

مقصودِ اصلی سے وصل کی تڑپ حیات کو تاابد ارتقا و بقا کی لامحدود منازل کی طرف رواں دواں رکھے گی، چنانچہ رومی کہتے ہیں کہ:

تو مکن تهدید از کشتن که من
تشنۂ زارم بخونِ خویشتن (۲۱)

گر بریزد خونِ من آں دوست رو
پاے کوباں جاں بر افشانم برو (۲۲)

آز مودم مرگِ من در زندگیست
چون رهم زیں زندگی پایندگیست (۲۳)

رومی کے نزدیک عشق اور مقصد کی لگن کو ارتقا کے دو بنیادی عوامل کی حیثیت حاصل ہے۔ زندگی کی ساری گہما گہمی عشق کی بدولت ہے۔ عشق جذب و بقا اور حرکت وارتقا کا ضامن ہے۔ حیات کا ہر پست مظہر بلند تر مظہر میں جذب ہو کر ارتقا و بقاء کی خوب سے خوب تر منازل طے کرتا ہے۔ روٹی جز وبدن بن کر حیات وشعور میں تبدیل ہو جاتی ہے اور موم یا ایندھن کی ذات کی تاریکی آگ میں جذب ہو کر روشنی میں بدل جاتی ہے۔

چون تعلق یافت نان باابوالبشر
نانِ مرده زنده گشت و باخبر
موم و هیزم چون فدائے نار شد
ذاتِ ظلمائی او انوار شد (۲۴)

رومی نے اپنی کتاب ''فیہ مافیہ'' اور مثنوی کے اکثر مقامات پر یہ بات بیان کی ہے کہ ارتقائے انسانیت کی طے میں جذب و بقاء کا عمل کارفرما ہے۔ حیات کا ہر مظہر اپنے سے بہتر سطح حیات کو پانے کے لیے محوِخرام رہتا ہے۔ یہی تحرک وارتقا بقاء کا اصول ہے اور اسی کا نام عشق ہے۔ کائنات میں علُو پسندی کا جو بھی میلان ہے وہ سب عشق کی بدولت ہے۔ اگر عشق نہ ہوتا تو کائنات افسردہ و منجمند اور بے کار و بے حرکت تصویر کا منظر پیش کرتی۔ رومی مثنوی میں رقمطراز ہیں:

دورِ گردو نها ز موجِ عشق داں
چون نبودے عشق، بفسردے جهاں (۲۵)

کئی جمادی محو گشتی در نبات
کی فدائے روح گشتی نامیات (۲۶)

ذرہ ذرہ عـــاشــقـــانِ آں جـــمـــال
مـــی شتـــا بــد در عـلـو، هـمـچـو نهـال (۲۷)

رومی کے نزدیک حیات کے ارتقائی عمل میں مقصد کو ایک نہایت اہم محرک کی حیثیت حاصل ہے۔ برگساں کے نصب العین سے محروم تخلیقی ارتقا کے تصور کی فکرِ رومی سے کوئی مطابقت نہیں۔ رومی ارتقا کو ایسا بے کار اور بے فائدہ عمل نہیں سمجھتے جس کا کوئی خاص نصب العین نہ ہو۔ بقول رومی:

کـــلَّ یـــومٍ هُـــوَ فِـــی شـــان بَـخـوان
مـــرورا بـــے کـــار و بـــے فـعـلـے مـدان (۲۸)

رومی نے بار بار اپنے اس عقیدے کا اظہار کیا ہے کہ ''منزل ما کبریاست'' رومی کے اس بیان سے یہ واضح ہے کہ ارتقاء کی کوئی منزل ہے تاہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ارتقا کی کوئی منزل ہے تو کیا اُس منزل پر پہنچ کر ارتقا ختم ہو جائے گا؟ رومی اس کی تردید کرتے ہیں۔ رومی کہتے ہیں کہ اگرچہ ارتقا کی منزل کبریا یا ذات الٰہی ہے تاہم ذاتِ الٰہی کی قدرت وحکمت کی کوئی انتہا نہیں۔ ذات الٰہی اپنی تخلیقی فعالیت کے لحاظ سے ہر لحظہ نئے رنگ و روپ اور جلوؤں کے ساتھ رونما ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ انسان دنیا و آخرت میں اپنی ارتقائی جدوجہد کی چاہے کسی بھی منزل پر پہنچ جائے، ذات الٰہی کی عدم یافت کی تڑپ مہمیز بن کر اُسے تاابد ارتقا کی اگلی منازل کی جانب گامزن رکھے گی۔

حوالہ جات/حواشی

۱۔ خلیفہ عبدالحکیم مولانا کے متعلق لکھتے ہیں:

> "One of the central features about Rumi is that he is out and out an evolutionary thinker." [i]

i. Abdul Hakim, Khalifa Dr, "The Metaphysics of Rumi", Institute of Islamic Culture, Lahore: 1999, P. 27.

۲۔ مثنوی جلد اوّل: ۱۸۱۲ء زیرعنوان: **تفسیر قولِ حکیم**

۳۔ مثنوی جلد اوّل: ۸۳۸ زیرعنوان: **عتاب کردن آتش آن پادشاه جهود**

۴۔ Sharif, M.M. "A History of Muslim Philosophy" (Vol. II) Royal Book Company, Karachi, 3, 1983, p. 829

۵۔ مثنوی جلد ششم: ۲۲۰ زیرعنوان: **مناجات و پناه جستن بحق.......**

۶۔ مثنوی جلد چہارم: ۳۶۳۷ زیرعنوان: **اطوار و منازل خلقت آدمی از ابتدا**

۷۔ مثنوی جلد چہارم: ۳۶۳۸ زیرعنوان: ایضاً

۸۔ مثنوی جلد چہارم: ۳۶۳۹ زیرعنوان: ایضاً

۹۔ مثنوی جلد چہارم: ۳۶۴۰ زیرعنوان: ایضاً

۱۰۔ مثنوی جلد چہارم: ۳۶۴۱ زیرعنوان: ایضاً

۱۱۔ مثنوی جلد چہارم: ۳۶۴۶ زیرعنوان: ایضاً

۱۲۔ مثنوی جلد چہارم: ۳۶۴۷ زیرعنوان: ایضاً

۱۳۔ مثنوی جلد چہارم:۳۶۴۸ زیرعنوان: ایضاً

۱۴۔ مثنوی جلدسوم:۲۹۰۲،۲۹۰۱ زیرعنوان:**جواب گفتن عاشق عاذ لا نرا و تهدید کنند گانرا**

۱۵۔ Muhammad Iqbal, "The Reconstruction of Religious Thought in Islam"

۱۶۔ مثنوی جلداوّل:۱۱۴۴،زیرعنوان:**هم در بیان مکرِ خر گوش**

۱۷۔ وزیرالحسن عابدی،سید،''اقبال کے شعری مآخذ___ مثنوی رومی میں''،مجلس ترقی ادب،لاہور:نومبر ۱۹۷۷ء،ص ۳۴۸

۱۸۔ عبدالحکیم،خلیفہ،''حکمتِ رومیؒ''مطبوعات ادارہ ثقافت اسلامیہ،لاہور،۱۹۵۵ء،ص ۱۵۹۔

۱۹۔ مثنوی جلداوّل:۲۲۲۲،زیرعنوان:''**گرداییندن عمرؓ نظر او را**''....

۲۰۔ مثنوی جلدششم:۶۳،زیرعنوان: آغازِ دفتر

۲۱۔ مثنوی جلدسوم: ۲۸۴۴ زیرعنوان:''**لا ابالی گفتن عاشق نا صح و عاذل را از سر عشق**''

۲۲۔ مثنوی جلدسوم:۲۸۴۷ زیرعنوان: ایضاً

۲۳۔ مثنوی جلدسوم:۲۸۴۸ زیرعنوان: ایضاً

۲۴۔ مثنوی جلداوّل:۱۵۳۲،۱۵۳۳،زیرعنوان:''**در سرِ آنک ارا دَان یجلِسَ مع اللّٰه**''

۲۵۔ مثنوی جلدپنجم:۲۸۵۴ زیرعنوان:''**ایثار کردن صاحب موصل آں کینزک را**''

۲۶۔ مثنوی جلدپنجم:۲۸۵۵ زیرعنوان: ایضاً

۲۷۔ مثنوی جلدپنجم:۲۸۵۸ زیرعنوان: ایضاً

۲۸۔ مثنوی جلداوّل:۳۰۷۱،زیرعنوان:''**قصه آنکس که در یارے بکوفت**''